محمد سالم قدوائی

سرسید کے مذہبی خیالات

ان کی تفسیر کی روشنی میں

سرسید کے بارے میں ایک زمانہ تک یہ خیال رہا کہ ان کے قلم نے مذہبی امور میں زیادہ بے باکی دکھائی ہے۔ لیکن جوں جوں زمانہ آگے بڑھتا گیا اور جدید اکتشافات سامنے آتے گئے' ان کی بہت سی باتیں سچی معلوم ہونے لگیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ جب بھی کسی نے عوام کے آبائی خیالات سے ہٹ کر کوئی بات کہی اس کی مخالفت کی گئی اور اس کا جینا دوبھر ہوا' انھوں نے جس دور میں اپنے جدید خیالات اور نئے تصورات کی باتیں کہیں' وہ بڑی کش مکش کا دور تھا' انگریزی' جدید علوم اور سائنس وغیرہ کی تعلیم مذہب سے دوری کا سبب مانی جاتی تھی' کثر علما انگریزی پڑھنے اور انگریزی وضع قطع اختیار کرنے کے خلاف فتوے بڑی آسانی سے دیتے تھے' دوسری طرف عیسائی اور دوسرے مذاہب والے مسلمانوں کو دقیانوس ثابت کرنے پر تلے ہوئے تھے اور اسلام کو وقت کے ساتھ نہ چلنے والا ایک تنگ نظر مذہب کہتے تھے۔ سرسید نے بدلتے ہوئے حالات کو اچھی طرح سے سمجھ لیا تھا اور ان کی دوربیں نظروں نے مستقبل کو پوری طرح سے دیکھ لیا تھا۔ ان کو مسلمانوں کی زبوں حالی اور ان کی ہر قسم کی کم مائیگی کا شدید احساس تھا۔ انھوں نے اپنی زندگی کا مشن ہی یہ بنایا تھا کہ قوم کو خواب گراں سے ضرور بیدار کریں گے خواہ

اس سلسلہ میں ان کو اپنی آن اور جان کی بازی ہی کیوں نہ لگانی پڑے' وہ خود لکھتے ہیں:

"قوم کیا دنیا کی باتوں میں اور کیا دین کی باتوں میں ایسے تاریک گڈھے میں پڑی تھی کہ ادھر ادھر کی چیزیں تو درکنار وہ اس گڈھے کو بھی نہ دیکھ سکتی تھی جس میں وہ پڑی تھی۔ میرا دل آخر دل ہی تھا' پتھر نہ تھا جو نہ پگھلتا۔ ایک مدت تک اس غم میں پڑا سوچتا رہا کہ کیا کیجئے' آخر یہ سوچا کہ سوچنے سے کرنا بہتر ہے کرو جو کچھ کر سکو' ہو یا نہ ہو اس بات پر دل ٹھہرا' ہمت نے ساتھ دیا اور صبر نے سہارا اور اپنی قوم کی بھلائی میں قدم گاڑا۔ اس میں خدا کی طرف کا بدلہ نہ جب معلوم تھا اور نہ اب معلوم ہے مگر قوم کی طرف کا بدلہ اسی وقت معلوم تھا جو اب ظاہر ہے۔ کافر' مرتد' ملحد' زندیق اسلام کا دشمن مسلمانوں کا ہاجی' قوم کا عیب جو دین و دنیا سے آزاد کرنے اور نام پر دو چار صلواتیں سنا دینا۔ مگر شکر ہے کہ ان کی کسی بات نے ہمارا دل نہیں دکھایا اور ہمیشہ ہمارے دل میں یہی خیال آیا کہ اے خدا ان پر رحم کر کیونکہ وہ نہیں جانتے۔" (۱)

ان کا یقین کامل تھا کہ اگر مسلمان اپنی سست رفتاری کا احساس نہ کریں گے اور زمانے کے ساتھ قدم ملا کر نہ چلیں گے تو ترقی کرنا تو دور کی بات ہے وہ اپنی موجودہ حیثیت کو بھی باقی نہ رکھ سکیں گے۔ یہی وہ احساس ہے جو انھیں ہر لمحہ بے چین رکھتا تھا اور جس کا عکس ان کی تمام تحریروں میں نظر آتا ہے۔ ان کی تمام تحریروں میں مستقبل سے ناطہ جوڑنے کے لیے اپنی علمی اور ذہنی حالت کو بہتر بنانے پر زور ہے' آباد اجداد کے کارناموں پر فخر صرف اس حد تک درست ہے کہ ہم کو اس سے آگے بڑھنے اور کچھ کرنے کے لیے تقویت ملے۔

سرسید عالی دماغ، بلند خیال، پاک دل اور روشن ضمیر مسلمان تھے۔ وہ خدا کے دل سے معتقد اور رسولؐ کے سچے عاشق تھے۔ اسلام ان کی نظر میں سچا مذہب تھا۔ اپنے عقائد میں وہ بہت پختہ تھے اور مسلمانوں سے ان کو پوری ہمدردی اور قلبی لگاؤ تھا، ایک جگہ وہ لکھتے ہیں:

> "ایک ایک شخص جو اسلام کے گروہ میں داخل ہے، وہ سب مل کر مسلمانوں کی ایک قوم کہلاتے ہیں، جب تک وہ اپنے عزیز مذہب کے پیرو اور پابند ہیں تبھی تک وہ قوم ہیں۔ یاد رکھو کہ اسلام جس پر تم کو جینا اور جس پر تم کو مرنا ہے اسے قائم رکھنے سے تمہاری قوم، قوم ہے، پس اسلام کو قائم رکھ کر ترقی کرنا قومی بہبودی ہے۔ یہی قومی ترقی ہوگی۔ قوم کی بھی عزت ہوگی اور آنے والی نسلیں بھی اس سے فائدہ اٹھائیں گی۔" (۲)

سرسید نے اپنی قلمی جدوجہد سے مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچایا اور بہت سے شکوک و اوہام کو دور کیا۔ ان کی تمام تصانیف میں ان کی تفسیر سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ زیادہ تر علماء نے ان کی اس تفسیر کی وجہ سے ان پر کفر و الحاد کا فتویٰ صادر کیا، حالانکہ سرسید کا مقصد تفسیر لکھتے وقت ہرگز وہ نہ تھا جو بعد میں لوگوں نے ان کی طرف منسوب کیا۔ سرسید کا عقیدہ تھا کہ اسلام کے تمام اصول و ضوابط عقل کے مطابق اور قرآن مجید میں کوئی ایسی بات بیان نہیں کی گئی ہے جو عقل انسانی کے حدود سے بالاتر ہو۔ ان کے دینی عقائد کا خلاصہ یوں سمجھا جاسکتا ہے:

۱۔ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور اس کی تمام باتیں سچی اور درست ہیں۔

۲۔ خدا کا کلام اور اس کے رسولؐ کا کلام خلاف حقیقت، خلاف عقل اور خلاف واقعہ نہیں ہوسکتا۔

۳۔ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور اس کی تمام باتیں سچی اور درست

ہیں۔

۴۔ سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی بھی انسان ایسا نہیں ہے جس کے قول و فعل کو مذہبی امور میں بغیر کسی حجت کے تسلیم کیا جاسکتا ہو۔

۵۔ احادیث میں جو مذہبی امور سے متعلق ہیں اور ان میں جو دنیاوی امور سے متعلق ہیں امتیاز کرنا چاہیے۔ اور صرف اول الذکر کو اگر ان کا قول رسولؐ ہونا قطعی طور پر ثابت ہو، واجب العمل تسلیم کرنا چاہیے۔

۶۔ انسان خارج از طاقت امور کے لیے مکلّف نہیں ہے۔

۷۔ اسلام کے تمام احکامات فطرت کے عین مطابق ہیں اور فطرت کو پیدا کرنے والا خدا ہے۔

سرسید اندھی تقلید کے قائل نہ تھے، وہ ہر چیز پر خود غور و فکر کرتے اور لوگوں کو بھی سوچنے سمجھنے کی دعوت دیتے، ان کی زد چونکہ مذہب کے ٹھیکہ دار علماء پر پڑتی تھی جو مذہب ہی کے نام کی روٹی کھاتے تھے، اس لیے وہ ہرگز اس بات کو پسند نہ کرسکتے تھے کہ ایک شخص جو ایک طرف جدید تعلیم کی تبلیغ کرے وہ دوسری طرف مذہبی معاملات میں بھی اپنی عقل و رائے کو استعمال کرے اور قرآن مجید کی تفسیر بھی بندھے ٹکے انداز میں نہیں بلکہ متعین حدود میں رہ کر جدید علوم کی روشنی میں کرے۔ یہی وہ بنیادی سبب تھا جس کی وجہ سے سرسید کی بھرپور مخالفت ہوئی اور ہر قسم کے فتوے ان کے خلاف شائع کئے گئے۔ سرسید نے جب تفسیر لکھنی شروع کی تو نواب محسن الملک نے بعض جگہوں پر ان سے شدید اختلاف کیا لیکن اس کے باوجود انھوں نے سرسید کو گمراہ اور بے دین کہیں بھی قرار نہ دیا وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"میں باوجود اس مخالفت کے جو سرسید کو ایک بڑے گروہ کے مسلمانوں سے ہے اسی سبب سے کافر نہیں کہتا جن وجوہ

سے علمائے دین نے ابن عربی کو کافر نہیں کہا' اور میں ان کی اسی طرح اور انھیں وجوہ سے حمایت کرتا ہوں' جس طرح اور جن وجوہ سے اکثر روشن خیال مسلمانوں نے ابن عربی کی حمایت کی تھی اگر وہ شخص جس کو میں جانتا ہوں کہ اس نے اپنی ساری زندگی اسلام کی تائید میں گزاری اور جس کی نسبت میرا یقین ہے کہ اس کا ایمان ہزاروں کے ایمان سے سینکڑوں درجہ بڑھ کر ہے اور جسے سوتے جاگتے' اٹھتے' بیٹھتے مذہب ہی کی تائید اور مسلمانوں ہی کی ترقی کا خیال رہتا ہے' اگر وہی کافر اور اسلام سے خارج ہو تو میں نہیں سمجھتا کہ پھر دنیا میں کون مسلمان ہوگا؟" (۳)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"میں ان بزرگوں سے جن کے سر عمامہ فضیلت سے' جن کے گلوئے مبارک ہزار دانہ کی مقدس تسبیح سے' جن کے نورانی سینے زرنگار حمائل سے ہمیشہ مزیب اور مزین رہتے ہیں' جن کی زبان پر ہروقت قال اللہ و قال الرسول جاری ہے' جن کے ہاتھ میں درہ اور زبان پر لعنت ہوتی ہے' جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں ہردم مشغول رہتے ہیں' بات بات پر مسلمانوں کو کافر بتاتے ہیں۔ مالک جہنم کے نام وارنٹ جاری کرتے اور لوگوں کو دوزخ میں بھیجتے رہتے ہیں' کہتا ہوں اور پکار کر کہتا ہوں کہ وہ ڈریں اس روز سے جو آنے والا ہے اور یاد رکھیں اس دن کو جس میں دل کی بات کھلنے والی ہے' وہ جانتے ہیں کہ سید مسلمان ہے اور پکا مسلمان' پر اسے کافر کہتے ہیں تاکہ عوام خوش ہوں اور انھیں بڑا مقدس اور ابرار

جائیں۔ وہ خود سمجھتے ہیں کہ سید خدا کا معتقد' رسولؐ پر شیدا'
اسلام کا عاشق ہے مگر اسے دہریہ اور ملحد بتاتے ہیں تاکہ ان
کے دل کی آگ ٹھنڈی پڑے اور جہلاء ان کو شریعت کا ستون
او دین کا رکن سمجھیں۔ کیا جواب دیں گے اس حاکم کو جب
کے سامنے نہ کوئی حیلہ چلے گا نہ کوئی بناوٹ جب کہ اس کے
روبرو وہ اور ان کا بنایا ہوا کافر (سید) دونوں ہوں گے۔"

(۴)

قرآن مجید اللہ نے اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا اس کو لازمی طور پر ایسا ہونا چاہیے تھا کہ جب تک دنیا قائم ہے اس پر ہر قسم کے مسائل کو حل کیا جاسکے گا۔ قرآن مجید کی سب سے بڑی افادیت' اہمیت اور اعجاز یہی ہے کہ نازل ہونے کے بعد سے اب تک وہ ایک ایسے دستور (ہدایت) کا کام دیتا ہے جو دینی اور دنیاوی مسائل کے حل اور ان کی ہم آہنگی کے لیے مثال ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' صحابہ کرام اور تابعین نے قرآن مجید کی تفسیر حالات' مسائل اور ازمنہ کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر کی۔ زمانہ کبھی ایک جگہ نہیں رکا' حالات کے اوراق ہمیشہ گردش دوراں سے پلٹتے رہے اور لوگوں کو ہر دور میں اس بات کی ضرورت محسوس ہوتی رہی کہ اسلام اور قرآن کو حالات اور سماج سے ہم آہنگ رکھا جائے۔ متعصب عیسائیوں نے اسلام پر بے شمار اعتراضات کئے تھے اور برابر اس کی بیخ کنی پر لگے ہوئے تھے' سرسید نے ڈٹ کر ان کا مقابلہ کیا اور جدید علوم کی روشنی میں اپنی باتوں کو ایسی پراثر اور پرزور انداز سے پیش کیا کہ ان کا مقصد بھی حل ہوا اور اسلام کی عظمت بھی دلوں میں قائم ہوئی۔ انھوں نے اپنی تفسیر بھی انہی خیالات کو سامنے رکھ کر لکھی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی بھی قرآن مجید پر یہ اعتراض کرے کہ اس میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں وہ بعید از عقل یا نظام قدرت کے خلاف ہیں ان کا کہنا ہے:

"حقیقت یہ ہے کہ تم نے خدا کی عظمت جس عظمت کے وہ لائق ہے اور قرآن مجید کی صداقت کا جس صداقت کے وہ لائق ہے اور مذہب اسلام کی عزت اور سچائی کا جس عزت اور سچائی کے وہ لائق ہے' اپنے دل پر نقش کالحجر نہیں کی ہے' اس لیے تمہاری رائے یا تمہارا دل اور ایمان ڈانواں ڈول ہوتا ہے۔ اگر تمام خیالات کو دل سے محو کر کے یہ سچا اور دلی یقین کر لو کہ خدا سچا اور قرآن اس کا کلام اور بالکل سچا ہے تو تم کو اس قسم کے شبہات ہرگز پیدا نہ ہوں گے۔" (۵)

تفسیر لکھنے میں انھوں نے جو بنیادی اصول رکھے تھے اور جو انھوں نے " تحریر فی اصول التفسیر" میں بیان کئے ہیں ان میں بھی خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی پر پورا زور ہے۔ ان کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ ہمارے سامنے دو چیزیں موجود ہیں: ایک ورک آف گاڈ (Work of God) اور دوسرا ورڈ آف گاڈ (Word of God) خدا کے کام اور خدا کے الفاظ کبھی بھی مختلف نہیں ہوسکتے۔ ورک آف گارڈ کائنات کی شکل میں اور ورڈ آف گاڈ قرآن مجید کی شکل میں ہمارے پاس ہیں' ان دونوں کا متحدہ اور یکساں ہونا لازمی ہے' خدا نے ہر جگہ سوچنے سمجھنے اور غور کرنے کی دعوت دی ہے اور کسی بھی بات کو آنکھ بند کر کے ماننے سے روکا ہے اسی لیے ان کا کہنا ہے کہ خدا کے کلام کو دیو اور پری کے قصے مت بنایئے اور ورنہ جو فوقیت اسلام کو دوسرے مذاہب پر ہے' وہ ساقط ہو جاتی ہے۔

سرسید کا دور وہ تھا جہاں نئی قدریں' نئی فکریں اور نئے تخیلات ابھر کر سامنے آرہے تھے' سرسید نے مسلمانوں کی گرتی ہوئی حالت کو پوری طرح سے سمجھ لیا تھا اور ان کو یقین کامل تھا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے مذہب کی سچی روح کو پوری طرح نہیں سمجھتے ہیں' وہ ہر چیز کو محض تقلیدی انداز سے دیکھتے ہیں

اور انھوں نے خدا کی کتاب کو بجائے ایک عملی چیز کے محض نمازوں میں پڑھی جانے والی سورتوں کی حد تک محدود کر رکھا ہے۔ سرسید اسلام کو سچا مذہب سمجھتے تھے اور ان کو یقین تھا کہ جو مذہب سچا ہے وہ ہر زمانہ اور ہر ماحول کے تقاضوں سے اپنے آپ کو ہم آہنگ کرسکتا ہے، قرآن کے سلسلے میں بھی ان کا یہی عقیدہ تھا کہ وہ کسی خاص وقت یا زمانے کے لیے نہیں ہے بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کتاب رہنمائی ہے اور اس کا سب سے بڑا اعجاز وہ تعلیمات و احکامات ہیں جو پوری طرح سے قانون فطرت کے مطابق ہیں اور جنھیں ہر شخص تفکر، تدبر اور تعقل سے سمجھ سکتا ہے۔ ان کی تفسیر میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو عام مفسرین سے بالکل مختلف ہیں۔ خاص طور سے وہ مقامات، جہاں وہ ہر بات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ اور ورک آف گاڈ اور ورڈ آف گاڈ میں مطابقت ثابت کرتے ہیں۔ مثلاً سرسید، حضرت عیسیٰؑ کے بغیر باپ کے پیدا ہونے اور آسمان پر زندہ اٹھا لیے جانے سے انکار کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ یہ دونوں باتیں قرآن مجید سے ثابت نہیں ہیں۔ فرشتے کا حضرت مریمؑ کو بیٹے کی بشارت دینا اور انکا یہ کہنا کہ مجھے مرد نے نہیں چھوا ہے، یہ ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بغیر باپ کے پیدا ہوگئے تھے، اس لیے کہ اس پورے قصے میں کوئی لفظ ایسا استعمال نہیں ہوا جس سے بن باپ کے پیدا ہونے کا اشارہ ملتا ہو۔ اس بشارت کا مطلب وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت مریمؑ کا نکاح ہوگا اور قانون قدرت کے مطابق ان کے بچہ ہوگا۔ انجیل مقدس اور بعض دوسری روایات سے بھی اس کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے انتقال کے سلسلہ میں بھی وہ عام مفسرین کی باتوں کو درست تسلیم نہیں کرتے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہودیوں کا یہ خیال کہ حضرت عیسیٰؑ کو سنگ بار کر کے قتل کیا گیا اور عیسائیوں کا یہ کہنا کہ ان کو صلیب پر چڑھا دیا گیا، دونوں ہی غلط ہیں اور قرآن کے الفاظ **مَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ** یہودیوں اور عیسائیں کے خیالات کی تردید کرتے ہیں اور طبعی طریقہ انتقال پر دلالت۔

سرسید ملائیکہ اور شیاطین کے اس تصور سے انکار کرتے ہیں جو عام لوگوں کے ذہنوں میں ہے' وہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید سے فرشتوں اور شیطانوں کا ایسا وجود ثابت نہیں ہوتا۔ وہ انسان کو قوائے ملکوتی اور قوئے بہیمی کا مجموعہ مانتے ہیں ان دونوں کی الگ الگ بہت سی شاخیں ہیں۔ ملکوتی قواء فرشتے اور بہیمی قواء شیطان ہیں' وہ اس سلسلہ میں مدلل بحث کرتے ہیں اور ابن عربی اور شیخ صدرالدین وغیرہ کے مسلک کا حوالہ دیتے ہیں۔ اسی طرح سے حضرت آدم کے قصہ کو تمثیل کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں' اس قصہ میں ان کے نقطہ نظر سے انسانی فطرت پر روشنی ڈالی گئی ہے وہ لکھتے ہیں:

> "اگر ہم فرض کریں کہ فرشتے اور شیطان ایک علیحدہ وجود رکھتے ہیں جیسا کہ عموماً مسلمانوں کا عقیدہ ہے تو بھی یہ بات بحث طلب ہے کہ کیا واقعی یہ مباحثہ خدا اور فرشتوں میں ہوا تھا؟ کیونکہ قرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ فرشتے خدا سے مباحثہ نہیں کرسکتے بلکہ اس کے حکم کو بجالاتے ہیں۔" (٦)

ان کے نزدیک ملائیکہ سے خطاب میں گویا خدا قوائے ملکوتی کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں' میں ایک مخلوق یعنی انسان پیدا کرنے والا ہوں جو میرا نائب اور خلیفہ ہوگا۔ قوائے ملکوتی انسان کے بہیمی عناصر سے آگاہ تھے اس لیے وہ زبان حال سے اپنی فرمانبرداری کا اظہار کرتے ہیں اور بہیمی صفات رکھنے والے انسان کے خلیفہ بنائے جانے پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں۔ اس کے بعد قوائے ملکوتی کے اطاعت پذیر ہونے کو سجدہ سے اور بہیمی قوتوں کو سرکشی اور نافرمانی کو ابلیس کے سجدہ کرنے سے انکار سے ظاہر کیا ہے۔ آدم کی بہشت کی زندگی سے مراد انسانی ارتقاء کا وہ درجہ ہے جب انسان غیر مکلّف اور تمام قیود سے بری تھا۔ شجر ممنوعہ کا پھل کھا کر جنت سے نکلنے سے مراد عقل و شعور کا پیدا ہونا اور اپنے اعمال و افعال کا ذمہ دار ہو کر زندگی کی جدوجہد شروع کرنا ہے۔

جنوں کے متعلق بھی سرسید کا دعویٰ ہے کہ اس قسم کی کسی مخلوق کا وجود قرآن سے ثابت نہیں ہے۔ جنوں کو عام طور سے مافوق الفطرت ذی عقل مخلوق سمجھا جاتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ قرآن کریم میں جہاں جنوں کا ذکر ہے وہاں انسانوں کی ایک قدیم وحشی قوی ہیکل قوم مراد ہے' اور ان آیات میں نہ تو جنوں کی حقیقت کے بارے میں کچھ کہا گیا ہے اور نہ ان کو پڑھ کر جنوں کی وہ شکل ابھرتی ہے جو ہم لوگوں نے اپنے تصور سے قائم کر رکھی ہے۔ ان کے نزدیک جن ایک غیر مہذب وحشی قوم ہے اور 'انس' کا اشارہ تمدن یافتہ اور مہذب انسانوں کی طرف ہے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے بہت تفصیل سے بحث کی ہے اور اپنی بات کا ثبوت اشعار عرب اور قدیم عربی لغات سے پیش کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ جن کا اطلاق دور جاہلیت میں وحشی اور جنگلی قوموں پر ہوتا تھا اور وہ سب انسان تھے اور وہ وہمی و خیالی وجود جن کی عرب پرستش کرتے تھے اور جنھیں "جن" سے تعبیر کرتے تھے' قرآن مجید سے ان کا وجود ثابت نہیں ہوتا۔ (۷)

اسی طرح سے سرسید نے حضرت ابراہیمؑ حضرت نوحؑ حضرت یوسفؑ ہاروت و ماروت' طالوت و جالوت' اصحاب فیل وغیرہ کے واقعات و حالات کی تفسیر کے افسانوی انداز بیان کو بعید از عقل اور ناقابل اعتناء قرار دیا ہے اور پوری دقت نظر کے ساتھ بحث کر کے افسانہ اور حقیقت کو الگ الگ کر کے دکھایا ہے۔ انھوں نے ہر جگہ اپنے بنیادی اصول کو سامنے رکھا ہے کہ قرآن مجید میں کوئی بات بھی بعید از قیاس اور خلاف عقل نہیں بیان کی گئی ہے۔ انھوں نے بار بار عقل انسانی کو جھنجھوڑا ہے اور یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ قرآن مجید میں جو بھی واقعات پرانے زمانے اور لوگوں کے بیان کیے گئے ہیں وہ قرین قیاس اور عقل انسانی کی حدود کے اندر ہیں۔ قرآن مجید کی ان باتوں کو اسرائیلی خرافات اور یہودی روایات کے ہم پلہ کر دینا درست نہیں ہے۔

سرسید مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے اور حشر و نشر کے قائل ہیں وہ

معاد کو مع جسم کے تسلیم کرتے ہیں' لیکن ان کا کہنا ہے کہ وہ جسم موجودہ مادی جسم نہ ہوگا بلکہ وہ ایک روحانی جسم ہوگا جس کو انسان نے اپنے عمل کے ذریعہ حاصل کیا ہوگا۔ قیامت' پل صراط' میزان' جنت' دوزخ وغیرہ ان کے نزدیک استعارے ہیں۔ قرآن کے بارے میں سرسید اپنا عقیدہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"میں خدا کے کلام کو اس کی صفت سمجھتا ہوں اور تمام صفات خدا کو قدیم مانتا ہوں اور اسی لیے خدا کے کلام کو بھی قدیم مانتا ہوں۔ مگر حنبلیوں اور کرامتیوں سے اس بات میں مختلف ہوں' خدا کے کلام میں آواز ہے اور اہل سنت والجماعت کے اس مسئلہ سے مختلف ہوں کہ صرف معانی قائم بالنفس ہیں اور وہی درحقیقت کلام ہے' میرے نزدیک معانی اور لفظ دونوں قدیم اور غیر متغیر ہیں اور ہم قرآن مجید کو مع معانی اور الفاظ کلام خدا کہتے ہیں اور قدیم تسلیم کرتے ہیں۔"
(۸)

سرسید کا عقیدہ تھا کہ قرآن مجید کا اعجاز اس کی ظاہری فصاحت و بلاغت نہیں بلکہ اس کا اعجاز تعلیمات و احکامات ہیں جو قانون فطرت کے مطابق ہیں ہر زمانے کے لیے ہیں اور ہر شخص کی سمجھ میں آسانی سے آسکتے ہیں' ان کے مذہبی عقیدہ کی بنیاد اس پر تھی کہ قرآن مجید اور قانون فطرت میں مکمل یکسانیت اور ہم آہنگی ہے اور ان دونوں میں کسی قسم کا اختلاف کسی لمحہ بھی نہیں ہوسکتا۔ ان کا کہنا تھا کہ کائنات اللہ کا عمل اور قرآن مجید اس کا قول ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے قول و فعل میں تضاد ممکن نہیں۔ ان کے نزدیک قرآن مجید اللہ کی وحدانیت اس کے احکامات اچھے اخلاق اور حسن معاشرت کی تعلیم دیتا ہے اور اصولی طور پر اسلام کی بنیاد اور ناقابل انکار صرف قرآن مجید کو ہی سمجھتے ہیں۔ وہ احکام قرآنی کو ہر دور کے لیے واجب العمل مانتے ہیں۔ وہ قرآن مجید میں ناسخ و منسوخ کے قائل نہیں ہیں۔

علما نے جس آیت سے آیات یا احکام قرآنی کے منسوخ ہونے کا استدلال کیا ہے سرسید کہتے ہیں کہ اس سے پچھلے انبیاء کے بتائے ہوئے قوانین اور شریعت کی تنسیخ مراد ہے نہ کہ خود قرآن کی آیتوں کی۔ وحدانیت کا عقیدہ ان کے نزدیک قرآن اور اسلام کی بنیادی تعلیم ہے' ان کا کہنا ہے کہ جو شخص اللہ کو اس کی ذات و صفات کے ساتھ ایک مانتا ہو اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ سمجھتا ہوں اور اسے ابدی و ازلی تسلیم کرتا ہو وہ کافر یا ملحد نہیں ہو سکتا۔

سرسید اجتہاد ائمہ یا اجماع امت کے ذریعہ سے کئے گئے احکامات کو واجب العمل نہیں سمجھتے وہ تقلید کے قائل نہیں ہیں' وہ سمجھدار' تعلیم یافتہ اور ذی عقل مسلمان کو اس بات کا حق دیتے ہیں کہ جن مسائل میں کوئی قطعی نص نہ ہو اس میں اپنی عقل و بصیرت کے مطابق فیصلہ کرے۔ سرسید غلامی کو بدترین گناہ قرار دیتے ہیں۔ عقلی دلائل سے تو انھوں نے اس کی برائیاں ثابت کی ہی ہیں' غالباً پہلی بار انھوں نے قرآن مجید سے غلامی کو منسوخ ثابت کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس وقت جنگی قیدیوں سے چار قسم کا سلوک کیا جاتا تھا' یا تو انھیں قتل کر دیا جاتا تھا' یا ان کو غلام بنا لیا جاتا تھا یا فدیہ لے کر چھوڑ دیا جاتا' یا احسان کر کے رہا کر دیا جاتا تھا۔ اسلام نے پہلی دونوں صورتوں کو ختم کیا اور آخری دونوں شکلوں کو باقی رکھا۔ ان کا کہنا ہے کہ کسی بھی آیت سے غلامی کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ اس سلسلہ میں ان کا رسالہ ابطال غلامی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ خطبات احمدیہ میں بھی انھوں نے اس سلسلے میں اپنے خیالات تفصیل سے بیان کئے ہیں۔

سرسید نے اسی طرح اور بھی بہت سے مسائل کو عقلی طور پر حل کرنے کی کوشش کی' ممکن ہے انھوں نے غلطی کی ہو لیکن یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ انھوں نے برسوں کے گھسے پٹے انداز سے الگ ہٹ کر ایک نئی راہ پیدا کی اور لوگوں کو جدید دور کے تقاضوں کو سمجھنے اور مذہبی معاملات کو اسی انداز پر حل کرنے کی دعوت دی انھوں نے جو کچھ بھی کیا اس کا مقصد یہ تھا کہ اسلام کی حقانیت

کو نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ غیر مسلموں میں بھی زیادہ محکم اور پائیدار بنا سکیں۔

آخر میں دو اقتباسات پیش کر کے اپنی بات ختم کرنا چاہتا ہوں ایک تو پروفیسر عمر الدین مرحوم کے مضمون "سرسید کا نیا مذہبی طرز فکر" سے جس میں وہ سرسید کے مذہبی خیالات و عقائد پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس میں شک نہیں کہ سرسید کے مذہبی فکر کا یہ مرکزی عقیدہ کہ "**الاسلام ھوالفطرۃ والفطرۃ ھی الاسلام**" آج اصولی اعتبار سے تمام مفکرین و مویدین اسلام کے نزدیک شرف قبولیت حاصل کر چکا ہے۔ اقبال، مودودی بلکہ قدیم طرز پر تعلیم پائے ہوئے حضرات علماء بھی اسلام کو دین فطرت تسلیم کرنے میں سرسید کے ہم خیال ہیں۔ یہی ان کے کارنامے کی اہمیت کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ لیکن ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ سرسید نے اپنے زمانے کے شبہات اور ضروریات کے لحاظ سے اس زمانے کے مسلمات اور معلومات کی روشنی میں اپنے اجتہادات پیش کئے ہیں۔ ان میں سے بعض چیزیں صرف وقتی اہمیت کی حامل تھیں لیکن بعض مستقل قدر و قیمت بھی رکھتی ہیں۔ ہمیں پوری سنجیدگی اور ذمہ داری سے سرسید کے پیش کئے ہوئے ان اصولوں پر غور کرنا ہوگا۔ ان مسائل سے متعلق چاہے ہم کسی نتیجہ پر پہنچیں لیکن ان کی جسارت فکر ان کے خلوص نیت اور اس راہ میں ان کی اولیت سے انکار ممکن نہیں۔" (۹)

دوسرا اقتباس مولانا غلام رسول مہر کے مضمون "سرسید کی دینی خدمات سے پیش ہے:

"یقیناً ان کے آراء میں سے بعض کے ساتھ کم یا زیادہ

اختلاف کی گنجائش پہلے بھی تھی اب بھی ہے۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام کے سوا کون ہے جس کی رائے یا عمل سے اختلاف کی گنجائش پیدا نہ ہوئی ہو یا اختلاف نہ کیا گیا ہو' تاہم اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ سرسید کی محکم و پائیدار قومی و ملکی خدمات کی مثال ان کے بعد افراد کیا جماعتیں بھی پیش نہ کر سکیں' ان کا دینی و مذہبی کام' انگریزی تعلیم کی ترویج کے علاوہ غالباً یہی کام ہے جس کے لیے وہ سب سے بڑھ کر اعتراضات کا ہدف بنے اور خدنگ ہائے مطاعن کا نشانہ بنے۔ کسی نے کہا کہ وہ باقاعدہ عالم نہ تھے اور نہ علماء حق کی صحبتوں سے مستفید ہوئے تھے۔ کسی نے بے تکلف یقین کر لیا کہ انھوں نے دین کو بگاڑنے کی کوشش کی۔ کسی نے انھیں نیچری قرار دیا جسے اسلام سے بیزاری کے مترادف سمجھا جاتا ہے لیکن سرسید نے جن احوال و ظروف میں کام کیا تھا۔ انھیں پیش نظر رکھ کر اسباب و محرکات کا اندازہ کیا جاتا تو نکتہ چینی کی ضرورت نہ رہتی۔" (۱۰)

حوالے

۱۔ تہذیب الاخلاق' جلد ۲' صفحات ۷۱۔ ۵۷۰

۲۔ خواجہ الطاف حسین حالی: حیات جاوید' لاہور ۱۹۵۷ء جلد دوم' صفحہ ۵۵۵

۳۔ محمد عثمان مقبول: (مرتبہ) مکاتبات الخلان فی اصول التفسیر و علوم القرآن' علی گڑھ ۱۹۱۵ء' صفحہ ۱۶۱

۴۔ ایضاً صفحات ۱۷۹' ۱۷۸

۵۔ مولانا اسمٰعیل پانی پتی: (مرتبہ) مقالات سرسید' لاہور جلد دوم ص ۲۰۹

٦۔ مکاتبات الخلان صفحہ ۲۲۱
۷۔ مقالات سرسید جلد دوم صفحات ۱۹۶۔ ۱۵۰
۸۔ پروفیسر عمرالدین: سرسید کا نیا مذہبی طرز فکر، مشمولہ علی گڑھ تحریک مرتبہ نسیم قریشی، علی گڑھ ۱۹۶۰ء، صفحہ ۱۵۸
۹۔ ایضاً ص ۱۶۷
۱۰۔ ایضاً صفحات ۱۸۱۔ ۸۴

* * *